

موجودہ نظام تعلیم-----کرنے والے کام

اللہ مجہد، علیم کی عطا کردہ تعلیم کی روشنی میں موجود نظام تعلیم کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات الم نشرح ہو کر سامنے آتی ہے کہ یہ نظام دو بنیادی اور جوہری خرابیوں کا حامل ہے۔ جن کے اثرات مسلسل، دور رس اور دیر پا ہیں۔ اس پر طرفہ تماشہ ہے کہ اس نظام کو گھڑنے والوں (متعصب انگریزوں اور بعد میں ان کے ٹوڈی جاگیر داروں اور سرمایہ داروں) نے بڑی مہارت کے ساتھ ان خرابیوں کو شوگر کوٹ کیا ہے۔ تشویش ناک حد تک جسد ملی کے لئے زہر ہلا بل کا درجہ رکھنے والی یہ دو عظیم الجثہ خرابیاں سیکولرزم (کوئی دین مذہب نہیں) اور استحصالی (کمزوروں کے حقوق اس قدر ہوشیاری کے ساتھ غصب کرنا کہ انہیں احساس تک نہ ہو) ہیں۔ ایسا کہنا کوئی نئی بات نہیں۔ ایک عرصے سے ملکی و ملی درد رکھنے والے صاحبان علم و عرفان ان ملی آن بان کی دشمنی خرابیوں کی طرف پوری قوم کی توجہ مبذول کر رہے ہیں۔

گزشتہ دو عشروں (1980-2000ء) کے دوران میں ہمارے ملک میں معاشرتی، معاشی، سیاسی اور خصوصاً تعلیمی میدان میں چند تبدیلیاں ایسی "در" آئی ہیں کہ علاوہ بہت ساری دوسری باتوں کے تعلیمی شعبے میں اور بطور خاص موجودہ نظام تعلیم میں اس سیکولر اور استحصالی جوہر بلحاظ مقدار بڑی سرعت کے ساتھ بڑھا ہے اور عمل ہنوز جاری ہے۔ اگر ہم بحیثیت قوم خطرات کا فہم حاصل کرنے اور ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بجائے انکی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کے عادی نہیں ہوئے تو اس نوشتہ دیوار کو کھلی آنکھوں اور جاگتے ذہنوں کے ساتھ پڑھ لیجئے کہ حالیہ صورت حالات برقرار رہی تو ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں سیکولرزم اور استحصالی کا تیزی سے مارچ کرتا ہوا عفریت ہماری شناخت (دو قومی نظریہ، مسلم ثقافت اور اسلامی تہذیب و تمدن) کو دبوچ لے جائے گا۔ گزشتہ پانچ برسوں (1995-2000ء)

کے دوران میں ترقی پزیر دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح پاکستان میں بھی انفارمیشن ٹیکنالوجی (انٹرنیٹ وغیرہ) نے سائیکلون کی طرح آناً فاناً افراد، گھروں اور اداروں میں گھس کر لادینیت اور استحصال کے عمل کی رفتار کو دوچند کر دیا ہے۔ خطرے کی گھنٹی کا آہنگ اس قدر بلند ہوا جا رہا ہے کہ ملک و ملت کا درد رکھنے والوں کے کان پھٹے جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی زندہ قوم انہیں دیکھ کر پیچھے ہٹی ہو اور پسپائی کے راستے کا انتخاب کیا ہو۔ الحمد للہ! پاکستانی قوم بالعموم اور اس کے نوجوان بالخصوص ماضی میں پیش آمدہ تمام آزمائشوں میں ان کے مقابل سینہ سپر ہوئے، بہترین بصیرت کا مظاہرہ کیا، میچور طرز عمل اپنایا اور قوت اور تدبر کے ہتھیاروں سے ان کا منہ پھیر دیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ملی نغمہ بجا طور پر بجا یا جاتا ہے۔

ہم زندہ قوم ہیں، پابندہ قوم ہیں

کیا موجودہ نظام تعلیم سیکورہے؟ اس سوال کا جواب ہمیں اس تعلیمی سیٹ اپ کے شملات کا جائزہ لینے سے ملے گا۔ پرائمری جماعتوں سے لیکر یونیورسٹی کی سطح تک ہمارے تمام نصابات میں قرآن کا ترجمہ و تفسیر، تعلیم حدیث اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ سبھی کچھ موجود ہے تو پھر یہ نظام تعلیم سیکور کیسے ہوا؟ یہی چیز پہلے خود سمجھنے اور پھر دوسروں کو سمجھانے کی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ دوسری اور تیسری جماعت سے ہی ہمارے ایمان و اعتقاد اور اسلامی نظریات کی نفی کرنے والی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے (مثلاً سود کے متعلق حسابی سوالات، خاندانی منصوبہ بندی کی تعلیم، علاقائی اور صوبائی کلچر کا تعارف، غلط بنیادوں پر قائم موجودہ ملکی سیٹ اپ کا تعارف وغیرہ) اور یونیورسٹی کی سطح پر تعلیم و تدریس کے عمل تک جاری اور قائم رہتا ہے۔ بلکہ یونیورسٹی کی سطح پر تو اسلام کے بالمقابل پورے کے پورے دین کی حیثیت رکھنے والے نظریات کی تعلیم فراہم کی جا رہی ہے۔ مثلاً معاشیات میں یہودی نژاد مردم بیزاز خاندانی منصوبہ بندی کا خیال پیش کرنے والے مالتھس، سرمایہ داروں کے لئے موزوں معاشی نظام کی

داغ نیل ڈالنے والے آدم سمٹھ، اور عوام الناس کو جانوروں کی حیثیت دیکر انہیں "چارہ" فراہم کر کے ساری ملکی دولت صرف چند سرمایے کے سانپوں کے سپرد کرنے کے خیال کے خالق یہودی معاشی دانشور کارل کارکس کے نظریات کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سیاسیات میں دغا و فریب کے امام میکیاوولی کے نظریات پڑھائے جا رہے ہیں اور عمرانی و نفسیاتی علوم میں انسان کے جنسی معاملات میں ذہنی پسماندگی کا مظاہرہ کرنے والے فرانسیسی ایسے متبذل اور مجبوط الحواس دانشوروں کے پٹری سے اترے ہوئے نظریات شامل نصاب ہیں۔ خالق کائنات کے عطا کردہ فطری ایمان و اعتقاد کو بلڈوز کرنے والے ان جملہ نظریات کی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ جب کسی نظام تعلیم میں ان راندہ درگاہ نظریات کی مدد سے نسل نو کی ذہن سازی بھی کی جا رہی ہو۔ دس (میٹرک) بارہ (انٹر) چودہ (گراجوییشن) یا سولہ (ایم۔ اے، ایم ایس سی) سال کے بعد جب ایک فرد میدان عمل میں اپنے جوہر دکھانے آتا ہے تو اس کے جہاں تک سائنسی تعلیم اور نصابات کا تعلق ہے تو یہ تو ترے ہیں ہی بے خدا، ان کا مذکور کیا؟ ایمان و اسلام کے پریکٹیکل لایف کی قیمتی سے پوری طرح کاٹے جا چکے ہیں۔ اس کے خون کے سرخ و سفید ذروں میں پائی جانے والی ایمانی قوت سے مسجد اور ملت کی طرف کھینچتی ہے۔ لیکن دوران تعلیم اس ایمانی قوت کے گرد دھیرے دھیرے بنا گیا سیکولرزم کا جال اسے جذبے اور جنبش سے محروم کرتا رہتا ہے۔ آج ہمارا معاشرہ اس صورت حال کی سچی تصویر پیش کرتا دکھائی دیتا ہے۔

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

خانہ کعبہ پر حملے کی خبر (1980ء) ہو یا بابری مسجد شہید کرنے کی خبر (1992ء) ہو بوڑھا جوان اور بچہ اسے اپنی ایمانی متاع پر حملہ تصور کرتا اور شعلہ جوالہ بن جاتا ہے جس کی آگ میں کفر کے اماموں کے گڑھ (امریکن سنٹر، مندر وغیرہ) جل کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہی ایمان، سیکولرزم کے جال میں جکڑا ہوا ایمان، مصارف زندگی میں کمزوری اور بے بسی کی تصویر بنا نظر آتا ہے۔ سوچنے کی بات فقط یہ

ہے کہ آخر ہم کب تک اپنے تعلیمی اداروں میں کنفیوزنسلیں پروان چڑھاتے رہیں گے۔ سبز گنبد سے تعلق ان کے ایمان کو سرسبزی و شادابی عطا کرتا ہے مگر سیکولر ازم کی خشک سالی اس لہلہاتی فصل کو سوکھے کا شکار کر دیتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ تعلیم کے انجیکشن سے ہمارے جسد ملی کے رگ و پے میں سیکولر ازم کا زہر چپکے چپکے سے داخل کیا جا رہا ہے اور ہم عالم بے خبری میں اس میٹھے اور چھپے ہوئے زہر کو اپنے جسم و جاں میں اترنے دینے جا رہے ہیں۔ تعلیم قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ بلحاظ مقدر مقدر ہمارے تمام نصابات تعلیم میں اونٹ کے منہ میں زیرے کے برابر ہے۔ جزو اور کل میں اتنا بڑا تفاوت ہی اس بات کا غماز ہے کہ ایک نہایت قلیل مقدار جزو کی تدریس اور وہ بھی محض رسم کے طور پر یا پھر محض خانہ پری کے لئے اپنے سے ہزار گنا بڑے کل کے مقابلہ میں کیا اثرات پیدا کر سکتی ہے؟ محض دکھاوے کے لئے یا سطحی نگاہ رکھنے والے معترض کا منہ بند کرنے کے لئے قرآن کا ترجمہ و تفسیر، تعلیم حدیث اور مطالعہ تاریخ اسلامی شامل نصاب ضرور ہے۔ مگر عملاً ان کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے تمام تر نصابات میں سیکولر ازم کی تعلیمات شامل کر دی گئی ہیں۔ گویا ہمارے تعلیمی ہاتھی جو بد قسمتی سے سفید بھی ہے کہ دکھانے کے دانت اور ہیں اور کھانے کے اور! ڈرم شراب سے لبالب بھرا ہوا ہے اور اس میں اور قرآن و حدیث تیر رہے ہیں۔ سادہ لوح اوپری سطح پر یہ تیرتے اوراق دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں مگر دیکھنے والے یہ منظر دیکھ کر بے چین ہوئے جاتے ہیں۔ ہمارے اپنے خرچ پر اس تعلیمی شراب کے خم پر خم لٹھکائے جا رہے ہیں اور قوم کے پیرو جواں انجانے میں اسے پئے جا رہے ہیں۔

ہمارے موجودہ نظام تعلیم کی دوسری بہت بڑی خرابی اس کا ایک استحصالی نظام ہونا ہے۔ ٹھیک قیام پاکستان کے دن سے اہل دل درد مند چیخ چیخ کر اس امر کی جانب توجہ مبذول کر رہے ہیں کہ یہ طبقاتی نظام تعلیم ہے، استحصال اس کا جوہری پہلو ہے۔ یہ ہمارے ملک نظریاتی تشخص کے خلاف ہے۔ یہ نظام ہمارے معروضی ملک حالات سے لگا نہیں کھاتا۔ دراصل کسی بھی ترقی کرتے ہوئے معاشرے میں اہل وسائل اور محروم طبقات کے درمیان فرق کو کم سے کم کرتے چلے جانا ہوتا ہے۔ مگر ہمارا موجودہ نظام

تعلیم ان طبقات کے درمیان حائل خلیج کو مزید وسیع کئے جا رہا ہے۔ بالآخر ایک وقت آئے گا کہ جب اہل وسائل کے پاس وسائل تو بلحاظ مقدار بہت زیادہ جمع ہو جائیں گے مگر یہ خود تعداد میں کم ہونے لگیں گے جبکہ محروم طبقات کی محرومی بڑھتی چلی جائے گی اور ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہونے لگے گا۔ پھر ایسے ہوتا ہے کہ گلی بازار اور درو دیوار سے پکار گونجتی ہے۔

اٹھو ! میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
 کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دو

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو، وہ وقت قریب آ پہنچا ہے
 جب تخت گرائے جائیں گے، جب تاج اچھالے جائیں گے

اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی لوٹ کھسوٹ کے لئے سازگار ماحول دراصل سرمایہ دار کو سوٹ کرتا ہے۔ اس کا کوئی دین مہذب نہیں ہوتا ہے۔ یہ راندہ درگاہ مخلوق محض پیسے کی پجاری ہوتی ہے۔ کہ خالق تقدیر نے ان کا آخری انجام یہی لکھا ہے۔ تخت گرانے اور تاج اچھالنے والی صورت حال پہلے کی طرح کے مگر ایک دوسری قسم کے خطرناک اور نقاب پوش سرمایہ داروں کو اس آتی ہے۔ یہ نام نہاد اشتراکیت پسندوں (ملکی و قومی سرمائے میں سب کے اشتراک کا سراسر دھوکے پر مبنی نعرہ لگانے والے بہروپیوں) ٹولہ ہے جو معاشرے میں تاج اچھالنے والی صورت حال پیدا کرنے میں عمل انگیز کا کام کرتا ہے تاکہ وسائل پر قابض ہونے کی جلد بازی لے سکیں اور انسانوں کا ایک اور قبیح شکل کا استحصال کر کے اپنی ہوس نفسانی کو بجھانے کا سامان کر لیں۔ اس ٹولے کو بھی دین و مذہب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

طبقات کی بات تو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ایک غریب طبقہ ہوتا ہے اور ایک امیر۔ ان کے درمیان ایک متوسط طبقہ بھی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ غریب کے پاس وسائل کم ہوتے ہیں اور امیر کے پاس غریب سے ہتھیائے ہوئے ڈھیروں وسائل ہوتے ہیں مجموعی طور پر سوسائٹی کے موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے غور کریں تو یہ بات بالکل درست دکھائی دیتی ہے۔ اپنی دکان (ایسٹ انڈیا کمپنی) کو حکومت میں تبدیل کرنے والے عیار اور شاطر انگریزوں نے اپنے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو نظام تعلیم ترتیب دیا۔ وہی وراثت میں قیام پاکستان کے بعد برطانوی استعمار کے ایجنٹوں کو مل گیا تو ناجائز جاگیرداروں اور سرمایے پر پلے ہوئے کالے انگریزوں نے اسے برقرار رکھا۔ جوں کا توں کہ یہی ان کے مفاد میں تھا۔ لارڈ میکالے کے اس نظام تعلیم کے تحت سے قائم یہ تعلیمی ادارے دو قسم کے تھے۔ مفت یا انتہائی کم فیس والے ادارے (مدرسہ سرکاری اسکول کالج وغیرہ) اور زیادہ فیس اور اخراجات والے مہنگے تعلیمی ادارے (ایچی سن، برن ہال وغیرہ) پہلی قسم کے ادارے غریبوں اور کم وسائل رکھنے والوں کے لئے اور دوسری طرح کے ادارے غدار ابن غدار جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے لئے کہ جو معاشرے اور ملک کے وسائل پر ریشہ دوانیوں کے ذریعے قابض تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے کی یہ صورت اعلان آزادی اور قیام وطن کے بعد بھی قائم ہے۔ معاشرے کے مختلف طبقوں کے لئے مختلف تعلیمی ادارے قائم کر کے گویا طبقاتی نظام تعلیم ہمارے سروں پر تھوپ دیا گیا۔ بد قسمتی ہے کہ یہ نحوست اب تک ہمارے قومی نصیب پر چبٹی ہوئی ہے۔ چونچنے والی بات یہ ہے کہ طبقاتی نظام تعلیم میں استحصال کیسے ہوتا ہے؟ انسانی اور آئینی لحاظ سے تعلیم ہر انسان کا مساوی حق ہے۔ طبقاتی نظام تعلیم میں یہ حق جبر کی بنیاد پر کم و بیش کر کے کسی کو زیادہ (بلا استحقاق) اور کسی کو کم (استحقاق کے باوجود) دیا جاتا ہے۔ اس کم و بیش کا انحصار معیار یا دار و مدار صلاحیت اور قابلیت پر ہو تو یہ عین مطلوب ہے اور قومی و ملی امنگوں کے عیب مطابق۔ اسے شومی قسمت کہیے کہ ہمارے نظام تعلیم میں عملاً اور اصلاً معیار جاگیر، دولت اور وسائل ہیں۔ جو ہر قابل نہ بھی ہو تو کیا ہوا؟ کسی صاحب وسائل کا "فرزند ارجمند" یا اس کی "

دختر نخرہ و ناز" تو ہے۔ بس یہی کافی ہے۔ یوں ملکی وسائل پر غاصبانہ قبضے کی طرح اہل وسائل کا استعمال بھی غیر فطری انداز میں اور غیر منصفانہ فراہمی پر بھی یہ استحصال ختم نہیں ہوتا۔ بعد میدان پھر غریب اور متوسط طبقے کے ذہین، قابل اور تعلیم یافتہ افراد کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے یا "نکال" دیا جاتا ہے۔ اچھی، با اختیار اور پرکشش اسامیوں پر ایک بار پھر ملکی وسائل پر ناجائز قابض طبقات کی نالائق اولادیں بر اجماع ہو جاتی ہیں۔ یہ اولادیں مجموعی طور پر ناز و نعم کی عادی اور محنت سے جی چرانے والی اور قدرے نااہل ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ باون ترین سال سے ملک کی باگ دوڑ ان نااہل اور بددیانتی کے عادی ہاتھوں میں رہنے کی وجہ سے وطن عزیز نصف صدی گزرنے کے باوجود ہنود پس ماندہ ہے اور نچلے درجے کا ترقی پذیر ملک کہلاتا ہے خصوصاً تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیں (شرح تعلیم 26 یا 36 ص 1) تو ماہر سی کا عفریت رہی سہی قومی امنگوں کو بھی ہڑپ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں اور جس کسی فیلڈ میں پاکستانیوں نے کار نمایاں انجام دیا ہے وہاں غریب اور متوسط درجے کے باصلاحیت افراد (مثلاً ڈاکٹر عبدالقدیر خاں) کا نام جبین وطن پر ضوفشاں ستارہ بن کر جگھاتا نظر آتا ہے۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ کلیدی اسامیوں پر نااہل قابض ہوتے رہیں اور اس ملک کی مٹی اور نظریے پر جان واد دینے والے اہل اور باصلاحیت، محنتی اور جفاکش افراد کلر کی کی ایسی مددگار ملازمتوں کے لئے بھی ترستے پھریں۔ ملک میں روز افزوں بے روزگاری کا جائزہ لیں تو یہ ساری کی ساری غریب اور متوسط درجے کے وفادار اور قابل کار پاکستانیوں میں ہی پائی جاتی ہے۔ ناجائز قابضین و وسائل کے لئے بھلا بے روزگاری کیا معنی رکھتی ہے؟ کیا یہ ان کا مسئلہ ہے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ موجودہ نظام تعلیم متعدد اعتبارات سے ایک سراسر استحصالی نظام ہے۔ تعلیم کے حصول کے اچھے مواقع سے لیکر حصول روزگار کی جاں گسل تک و دوتک یہ نظام تعلیم اس ملک کے وفا شعاروں کو مسلسل دبا تا چلا آرہا ہے۔ یہ نظام ان کی اٹھان، امنگ اور امید کو کسی ملک کے وفا شعاروں کو مسلسل دبا تا چلا آرہا ہے۔ یہ نظام ان اٹھان، امنگ اور امید کو کسی طور نہیں دیتا۔ مختلف تعلیمی اداروں

میں اپنے اپنے پیارے، معصوم اور ذہین بچوں کو "اچھے" اسکولوں میں داخلہ دلانے کے لئے جو تیاں چٹاتے والدین کو اور پھر پڑھ لکھ کر انہیں پیاروں کو چند ٹکے کے معمولی سے روزگار کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتے دیکھ کو یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ لوگ کوئی قید مشقت کاٹ رہے ہیں۔ زندگی بھر اس مشقت کا ختم ہونا کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ حالات دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

تعلیمی اداروں کی ناکافی ناقص اور بوسیدہ عمارات، ان میں اچھی لائبریریوں کا فقدان، غیر معیاری اور ناقص قص لیبارٹریاں، اساتذہ کی مایوسی کی حد تک کم تنخواہیں، اغلاط سے پر غیر معیاری نصابی کتب کی ناقص طباعت اور تاخیر سے دستیابی، گھوسٹ اسکولوں کی موجودگی، نظام امتحانات کی پیچیدگیاں اور جملہ خرابیاں، ناموزون امتحانی طریقہ کار، پرچوں کا برسر عام انکشاف، نقل کار بجان، بوٹی مافیا، پرچوں کی مارکنگ میں سفارش اور رشوت، امتحانات کا تاخیر سے انعقاد اور نتائج کا تاخیر سے اعلان اور ایسی دوسری بیسیوں خرابیاں دراصل موجودہ نظام تعلیم کے استحصالی پہلو کے مختلف مظاہر ہیں۔

شاید آپ نے کسی درجے میں اس امر کا مشاہدہ کیا یا آپ کو اس کا تجربہ ہوا ہو کہ گزشتہ دو عشروں (1980ء تا 2000ء) کے دوران میں چند "مند زور" تبدیلیاں ہماری نظام تعلیم میں ایسے "در" آئی ہیں کہ ملکی نظام کی بالعموم اور تعلیمی نظام کی بالخصوص فرسودگی کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی ہے اور موجودہ نظام تعلیم کا سیکولر اور استحصالی جبر اتنا فائز اپنی انتہا کو چھونے لگا ہے۔ یہ جبر افزاء تبدیلیاں دو ہیں۔

۱۔ سرکاری شعبے میں قائم تعلیمی اداروں کی خود مختاری مثلاً گورنمنٹ کالج لاہور، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، لاہور، وغیرہ اور

۲۔ نجی شعبے (پرائیویٹ سیکٹر) میں تعلیمی ادارے قائم کرنے کی پالیسی (مثلاً امریکن نیشنل اسکول، بیکن ہاؤس پنجاب اسکول، مختلف کامرس اور کمپیوٹر کالج، آئی ایل ایم وغیرہ)

تجربے اور مشاہدے کی روشنائی سے وطن عزیز کے باسیوں کے دلوں پر یہ لکھا جا چکا ہے کہ خاص طور پر ان دو اقدامات نے موجودہ نظام تعلیم کے سیکولر ازم اور جبر و استحصا کو زہر میں بچھی ہوئی دودھاری تلوار بنا دیا ہے۔ نو قائم شدہ تعلیمی اداروں یا بالفعل ان کی اصل نوعیت کے مطابق تعلیمی دکانوں کے دکانداروں کی ہوس زر اور دکھاوے پر مبنی ان کے مصنوعی معیار تعلیم کی تیز دھاروں سے رہنمائی سے محروم بے چارے لوگوں کا معاشی قتل عام کیا جا رہا ہے اور آئندہ نسلوں کو خود انہیں کے خرچ پر کند چھری کے ساتھ ان کی اصل پہچان سے کاٹا جا رہا ہے۔ تعلیم فراہم کرنے کے لبادے میں چھپی ہوس زر کا اظہار رجسٹریشن اور داخلے کے نام پر بھاری واجبات، ماہوار ٹیوشن کی بلند شرحوں اور اس پر مستر اوڈو نیشن اور مختلف فنڈز کی بیش مقدار رقوم کی وصولی سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ مصنوعی معیار تعلیم کا بودہ پن مقامی حالات اور معاشرت سے کٹے ہوئے نصابات، غلامانہ ذہنیت کے ساتھ انگریزی میں تعلیم مہنگی اور کثیر تعداد میں کتابوں کی نصاب میں شمولیت مگر یہ کتابیں پڑھانے کی بجائے صرف ٹیچر کے تیار کردہ نوٹس کارٹا لگوانے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات تو یہ سوچ کر دل محسوس کر رہ جاتا ہے کہ صاحب احساس اور اہل دانش اور روا ظلم و استحصا کی سنگینی کو کیوں محسوس نہیں کر رہے؟ تعلیم کی نج کاری اور خود مختاری شاید اتنی بری نہ ہوتی۔ ستم یہ ہے کہ اس آڑ میں حریص، لالچی، لٹیرے اور لالو پنہو ہمارے معاشرے کی پچاس برسوں پر محیط محرومی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساس کمتری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تعلیم کو ایک منافع بخش کاروبار بنا کر اپنے حرص و آز کے خون خوار پنہو کے ساتھ اس ملک پر حملہ آور ہو گئے ہیں۔

تقریباً پانچ برس قبل وطن عزیز میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کا ورود تعلیمی سیکولر ازم اور استحصا کے رواں عمل کے لئے ایک عمل انگیز (Catalyst) ثابت ہوا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی اور پرنٹ میڈیا (اخبارات اور رسائل وغیرہ) کے ذریعے معاشرے میں فاشی و عربانی اور بے راہروی (سیکولر ازم اور استحصا کے عملی مظاہر) کا جو سیلاب اُٹ آیا تھا۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی (ای۔ میل، انٹرنیٹ وغیرہ) نے اس سیلاب کی

سطح کو مزید بلند کر دیا ہے۔ اونچے مقامات اور بلندیوں پر اب تک پناہ گزین افراد خاندان بھی اب اس میں ڈوبتے نظر آرہے ہیں۔ گویا پانی سے سر سے بلند ہوا جا رہا ہے۔

اٹھو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ہمیں اس قیامت کی چال کا توڑ کرنا ہو گا اور اس کا توڑ اسی صورت ممکن ہے کہ معاشرے میں سے ایسے لوگ اٹھیں، ایسے افراد آگے آئیں جن کے سیرت و کردار بھی قیامت کے ہوں۔ قیام پاکستان سے لیکر موجودہ دور تک گزشتہ باون برسوں میں اس مملکت لا محدود پر ناجائز قابضین کی ایک نہایت چھوٹی سی اقلیت (بشکل ایک یا دو فیصد سرمایہ داروں اور جاگیر داروں) نے اپنے سوچے سمجھے منصوبوں اور سازشوں کے تحت پیدا کردہ حالات کے جبر کے ذریعے اس ملک کے باشندوں کو کرپٹ اور بد عنوان بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر یہ قوم اتنی سخت جان نکلی کہ نصف صدی سے زائد عرصہ اسے گر اس روٹ لیول تک کرپٹ کرنے میں لگ گیا۔ تاہم مقام شکر ہے کہ اس کے باوجود اب بھی ہمارے ہاں ایسے صاحب کردار اور دیانت دار رجال کار موجود ہیں کہ جنہیں ہم بجا طور پر پہاڑی کے چراغ کہہ سکتے ہیں۔ دراصل اب ایسے ہی افراد کو "خانقاہوں" سے نکل رسم شبیری ادا کرنی ہوگی یہ بات باور کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی چاہیے کہ موجودہ نظام تعلیم کا ہشت یا (آکٹوپس) بلکہ ہزار پاکہنا زیادہ درست ہو گا ہمارے معاشرے کے جسد ناتواں میں اپنے زہریلے ناخن پیوست کر چکا ہے۔ اس زہر کا تریاق زبردست قوت ارادی اور عزم صمیم کیساتھ اٹھائے گئے انقلابی اقدامات کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

سب سے پہلے اس کام کا بیڑا نوجوانوں کو اٹھانا چاہیے۔ غفوان شباب میں تمام انسانی صلاحیتیں اپنے جو بن پر ہوتی ہیں۔ لہذا جس کام کا بیڑا نوجوان اٹھائیں گے وہ سرعت کے ساتھ منزل کو پائے گا۔ ایسی حقائق زمانے کی کروٹ کے ساتھ تبدیل ہوتے جاتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پچاس کی دہائی تک، ساٹھ کی دہائی،

سٹر کی دہائی اور اسی کی دہائی سے سقوط روس (1992ء) تک ہر دور میں طلبہ جدوجہد کی نوعیتیں بدلتے
 زمینی حقائق کے ساتھ بدلتی ہیں۔ گزشتہ کئی برسوں سے تعلیمی اداروں میں مضبوط نظریاتی تنظیمیں ایک
 دوسری کے مد مقابل نہیں حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ لہذا پاکستان کا در در رکھنے والی تنظیموں کو کام
 کے انداز اور طریق کار پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ رعب سے دبا کر رکھنے والی تنظیموں کو کام کے انداز اور
 طریق کار پر نظر ثانی چاہیے۔ رعب سے دبا کر رکھنے کی بجائے عام طلبہ کو اچھے اخلاق اور پوری
 دردمندی کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کا قائل کرنا چاہیے۔ ان تنظیموں کو چاہیے کہ وہ اپنے کارکنوں کے
 ذریعے طلبہ کے تعلیمی حقوق کے لئے موثر جدوجہد کا جلد از جلد آغاز کریں۔ اس جدوجہد کے اولین
 اقدام کے طور پر پہلے خود کارکنوں کو اپنا ریکارڈ شاندار نہیں تو اچھا ضرور بنانا چاہیے۔ تبدیلی اور اصلاح
 کے عمل کا آغاز خود اپنی ذات سے کیا جائے تو یہ زاد راہ ساتھ ہونے کی وجہ سے آئندہ سفر اور اس کے
 مراحل آسانی سے ہوتے ہیں۔ تبدیلی کا عزم رکھنے والے یہ کارکن (Instrument of change)
 اپنی پڑھائی میں دلچسپی لینے والے، کلاسز میں لازماً حاضر رہنے والے اور گروہی سیاست سے بالاتر ہو کر
 تمام اساتذہ کا احترام کرنے والے ہوں۔ تعلیم و تعلم کے عمل سے دور رہ کر محض ایڈری کے لئے طلبہ
 کے تعلیمی حقوق کا نعرہ موجودہ تعلیمی سیٹ اپ میں زور نہیں پکڑ سکتا۔ طلبہ تنظیموں کے متذکرہ بالا
 صفات رکھنے والے کارکنوں کا اگلا قدم شفاف (Transparent) میرٹ یعنی قابلیت کی بناء پر بلا امتیاز
 درجہ بندی کے حصول کے لئے اٹھنا چاہیے۔ ہمارے بہت سے عمومی اور خاص طور پر تعلیمی مسائل کی جڑ
 دراصل غیر شفاف طرز عمل

میں ہے۔ دوستوں، عزیزوں اور اپنوں کے لئے ہم رولز اور ریگولیشنز اور مراعات کو اس انداز میں طے
 نہیں کرتے جس انداز میں عام طلبہ اور دوسری تنظیموں کے کارکنوں کے لئے طے کرتے ہیں۔ کسی بھی
 صورت میں اس دو عملی، دورنگی اور منافقت کا کوئی جواز نہیں۔ شفاف انداز میں میرٹ کے نفاذ کے لئے
 بڑے ظرف کی ضرورت ہے۔ اسے پیدا کرنا چاہیے۔ کہ بڑا کام ہمیشہ بڑے ظرف والے ہی کرتے ہیں۔

سرکاری اور نجی شعبے میں قائم دونوں طرح کے تعلیمی اداروں میں کسی حد تک تعلیمی استحصال کے خاتمے کے لئے وسیع الظرفی کے ساتھ "حق بہ حق دار رسید" کی طرز پر معاملات طے کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کی سر توڑ کوششوں کے باوجود اہل وطن کے دل و دماغ سے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق کو ختم نہیں کیا جاسکا۔ یہ بہت بڑی قوت ہے اس قوت میں ہر پست کو بالا کر دینے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اور اس اسم مبارک میں چار دانگ عالم میں اجالا کرنے کا پوٹینشل ہمیشہ موجود رہا ہے اور تاباں موجود رہے گا۔ ضرورت محض اس قدر ہے کہ اس قوت عشق کو دانشمندانہ عقیدت کے ساتھ بیدار کیا جائے۔ تعلیمی نظام میں موجود سیکولر ازم اور استحصال دونوں کا خاتمہ ممکن ہے۔ اسم محمد ﷺ کے اجالے سے سیکولر ازم اپنی موت آپ مر جائے گا۔ اور اس نام کے ساتھ والہانہ عشق رکھنے کی قوت سے ہر پست کو بالا کر کے استحصال کا قلع قمع ہو جائے گا۔

ملک و ملت کا درد رکھنے والے اساتذہ کرام فرض کی پکار پر لبیک کہیں اور اس تبدیلی لانے والے قافلے کے سالار بنیں۔ اس کے لئے سب سے پہلے انہیں اپنے اپنے میدان علم میں خوب محنت کر کے نام پیدا کرنا ہو گا۔ تحقیق کو اپنی عملی مساعی کا محور بنانا ہو گا اور اجتماعی مفاد کی خاطر گروہی تعلقات سے بالاتر ہو کر ہر طالب علم کے لئے کسی بھی معاشرے کی تعمیری و بہت میں اساتذہ کا کردار ایک قائد ہوتا ہے۔ لہذا تعلیمی دنیا میں تبدیلی کی زبردست طلب کے اس موقع پر انہیں اس منصب کو سنبھالنا چاہیے۔

رزق حلال کمانے والے صاحب ثروت اور مخیر حضرات کو اہل افراد کار کے تعاون سے معیاری رفاہی تعلیمی ادارے قائم کرنے کے لئے میدان عمل میں آنا چاہیے۔ یہ تعلیمی ادارے شفاف میرٹ کے اصول پر گروہی و طبقاتی تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قوم کے ذہین ترین اور باصلاحیت بچوں کو

اعزازی طور پر داخل کریں اور ان کی تعلیم کی تکمیل تک ان کے اخراجات پورے کرنے کا اہتمام کریں ایسے تعلیمی ادارے پہلے سے قائم ہیں (دی ٹرسٹ اسکول وغیرہ) الحمد للہ مخلص اور دیانت دار افراد شب و روز کی مساعی کے بل پر کامیابی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔ موجودہ تعلیمی دکانداری کی اندھیر نگری میں یہ ادارے یقیناً بینارہ نور ثابت ہوں گے اور معاشرے میں زبردستی کے رجحان کی حوصلہ شکنی کریں گے۔

گزارش ہے کہ تحریک اسلامی سے وابستہ اہل وسائل حضرات (معذرت کے ساتھ) اپنا سابقہ طرز عمل ترک کر کے بھاری بھر کم فیسوں اور بستوں والے مہنگے تعلیمی تجارتی ادارے قائم کر کے دولت بنانے کی بجائے مجوزہ بالامعیاری رفاہی تعلیمی ادارے قائم کریں۔ یقینی طور پر یہ ایک سرلیج الاثر انقلابی اقدام ہو گا اور آپ اللہ کے حضور یقیناً خیر کثیر کی شکل میں اجر پانے والے ہوں گے۔ ہمارے تعلیمی شعبے میں موجودہ ہوس پرستی کے خاتمے کا یہ ایک شافی و کافی نسخہ ہے۔ اسی طرح ہمت کر کے تعلیمی دکانداری کا شہرہ رکھنے والے اداروں سے برات کا اعلان کرنا چاہیے اور ان کی انتظامیہ میں کسی بھی طرح کی حیثیت میں موجود افراد کو وہاں سے ہٹا کر ان مجوزہ

معیاری رفاہی تعلیمی اداروں کی نظامت ان کے سپرد کر دی جائے۔ اسی طرح اسلام اور پاکستان کا درد رکھنے والے جوانوں کو زبردستی کو شعار بنانے والے تعلیمی اداروں یا دکانوں کا ہر سطح پر بائیکاٹ کرنا چاہیے اور اگر کچھ نوجوان اس "دھندے" میں شریک ہو چکے ہیں تو انہیں نہایت حکمت اور دانش مندی کے ساتھ دونوں دنیاؤں میں اجر و ثواب کی خاطر عملی ایثار پر ابھارنا چاہیے۔

ملکی و ملی درد رکھنے والے اہل دانش اور تعلیمی ماہرین موجودہ زمینی حقائق کو مد نظر رکھ کر سیکولر ازم سے پاک جدید نصابات تجویز کریں۔ اور قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ کو مضامین کے طور پر پڑھانے کی بجائے انہیں ان نصابات کے اندر اس طرح سمو دیا جائے کہ جس طرح جسم کے اندر روح رچی بسی ہوتی

ہے۔ اس مقصد کے لئے دانش وروں اور ماہرین تعلیم کی گلڈز اور اکاؤمیاں تشکیل دی جائیں جو نصاب سازی کے ساتھ ساتھ ان تیار کردہ نصابات کے مطابق نصابی اور ہم نصابی کتب کی ترتیب، تدوین، تالیف اور تصنیف کا فریضہ بھی سرانجام دیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ایک زمانہ ایسا تھا کہ اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے اس وقت کے مروجہ لباس و آداب اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ اب ایسا وقت نہیں رہا۔ زمینی حقائق یکسر بدل چکے ہیں۔ عام زندگی میں اور خصوصاً تعلیمی ماحول میں موجودہ تعلیمی ادارے اسٹاف، اساتذہ اور طلبہ کی ظاہری، ٹیپ ٹاپ پر توجہ کافی کم کر دیں اور سادگی اور وقار کے ملاپ سے نیا تعلیمی کلچر پروان چڑھائیں۔ شاندار عمارات، زرقی برق لباسوں اور طلبہ کی وردیوں کے ریاکارانہ لوازمات کی مسلسل حوصلہ شکنی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارض و سما کو مسخر کرنے کی جو مخفی صلاحیتیں حضرت انسان کو عطا کی ہیں۔ انٹرنیٹ ان انسانی صلاحیتوں کے اظہار کی ادنیٰ مثال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گلوبلائزیشن یہودی چکر ہے۔ ہو گا۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کے پیغام کی آفاقیت کے اثبات میں محض یہ ایک معمولی سی پیش رفت ہے۔ بلوغتی --- کے فرمان نبویؐ پر کماحقہ عمل پیرا ہونے کے لئے انٹرنیٹ ایک جدید تر ذریعہ کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس ایجاد کے سبب دنیا بھر میں گناہ اور معصیت کے اڈے یا بالفاظ دیگر مورچے (ویب سائٹس) قائم ہو گئے ہیں اور انسانوں کی نیک طبعیتی اور اخلاق پر عموماً اور مسلمانوں کے دین و اخلاق پر خصوصاً یہاں سے مسلسل حملے کئے جا رہے ہیں۔ جوڈو کراٹے ایسے مارشل کھیل میں حریف کو شکست سے دوچار کرنے کیلئے یہ دانش مندانہ داؤ بڑا کارآمد اور کارگر ثابت ہوتا ہے کہ حریف کی قوت حملہ کو اسی کے خلاف استعمال کر لیا جائے۔ ایسے میں ذرا سی دانش اور ڈرا سی قوت دشمن کو چاروں شانے چت گردا دیتی ہے۔ مسئلہ صرف چیلنج کو چیلنج کرنے کا ہوتا ہے۔ اس دنیاے فانی میں ہمیشہ انسانی نفس کو برائی

اور شر زیادہ پرکشش لگے ہیں۔ مگر اس دنیا میں نیکی اور خیر بھی ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ چراغ مصطفویٰ سے شر اب بولہبی ہمیشہ ستیزہ کار رہا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ تخلیق آدم سے لیکر اب تک انسان نے نیک فطرت پر پیدا کئے جانے کی بنا پر بالآخر گناہ کی ساری لذتوں اور کششوں کو ٹھکرایا ہے اور نیکی اور راستی کا خیر مقدم کیا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی رہی ہے کہ میر کاروں کی نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پر سوز ہو۔ وہ بندہ پروری (اعلیٰ ظرفی) کی صفات سے متصف ہو اور یقین محکم، عمل پیہم اور۔ "محبت فاتح عالم" کے ہتھیار سے لیس نارنمود آج بھی انداز گلستان پیدا کر سکتی ہے۔ درحقیقت اسلام کا امن و آشتی کا ابدی پیغام پہنچانے کے لئے ان گنت ویب سائٹیں اور انکی وسیع پیمانے پر تشہیر کرنے کی ضرورت ہے۔ جدید زندگی کی اندرونی اور بیرونی چوٹیں کھا کھا کر ٹوٹ پھوٹ کا شکار انسان کسی پناہ کی تلاش میں ہے۔ اسلام کا فطری نظریاتی پیغام بالآ

خر انسان کی آخری پناہ گاہ لینے والا ہے۔ یہی چوائس ہم مسلمانوں نے دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اور انٹرنیٹ سے فی الوقت بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اسلامی بنیادوں پر استوار نظام تعلیم میں انٹرنیٹ ایک مددگار وسیلہ کے طور پر منفی تبدیلیوں کی طرح مثبت تبدیلیوں کے لئے بھی مساوی طور پر موثر ثابت ہو سکتا ہے۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے والوں کی مضبوط نظریاتی تربیت اس کے منفی پہلوک اثرات زائل کر سکتی ہے۔